فرحین اظفر

دیے آئے وفا

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید 'انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ 'انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کر دیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے' مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید' عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ' شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے' جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کر دیتی ہیں۔

نویں قسط

(اب آگے پڑھیے)





"نائلہ! نائلہ۔ کیا ہوا تم ٹھیک ہو۔" وہ پوچھ رہی تھی۔
"فون کب سے بج رہا تھا۔ بند ہو گیا۔ تمہیں آواز نہیں آئی۔"
اس نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ فون بہر حال بند ہو چکا تھا اور سوہا کی پہنچ سے بہت دور تھا۔ اس نے دروازے کی کنڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا' جبھی دروازے کے دوسری طرف سے رنگ ٹیل دوبارہ سنائی دی۔ بے حد قریب دروازے کے بالکل دوسری طرف سے۔

"پھر آ رہا ہے فون کسی۔۔۔ شبانہ۔۔۔ کا ہے۔"
سوہا اب فون کرنے والے کا نام پڑھ رہی تھی۔ نائلہ کے اعصاب ایک پل میں ایسے جھنجھنائے جیسے بربط کے تار انگلیوں کی حرکت پر جھنجھنا جاتے ہیں۔
"میں ریسیو کر کے بتا دوں۔"
اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پر اس نے نتیجہ اخذ کیا تھا۔ جو یقیناً" بہت بھیانک تھا۔ نائلہ نے کرنٹ کھا کر دروازہ کھولا اور بجلی کی سی تیزی سے سوہا کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا۔ "نہیں۔"
"کیا ہوا۔" سوہا اس حرکت کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کا منہ کھل گیا۔
"نہیں وہ۔۔۔ کچھ نہیں بس۔"
اس نے جلدی سے لائن کاٹی۔ پھر فون آف ہی کر دیا۔ اور سوہا کی حیران پریشان نظروں سے بچنے کے لیے جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹ کر بیڈ کی طرف چلی گئی۔
سوہا نے مڑ کر اسے فون تکیے کے نیچے گھسیڑتے دیکھا۔
"اگر کوئی پرائیوٹ بات کرنی ہے تو کر لو۔ میں تو یوں بھی اوپر جا رہی ہوں۔"
"پرائیوٹ بات مجھے؟۔۔۔ مگر کس سے۔۔۔"
موبائل رکھ کر سیدھا ہوتے ہوتے اس نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔
"پتا نہیں۔ مگر مجھے لگا کہ تم میری وجہ سے۔۔۔"
اس کی بات نائلہ کے طنزیہ تاثرات دیکھ کر ادھوری رہ گئی۔
"سوہا میڈم پلیز۔ آپ میری جاسوسی کرنے کی فکر چھوڑیں اور اپنے کام سے کام رکھیں تو بہتر ہو گا۔" اس کا انداز بے حد تضحیک آمیز تھا۔
"یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو مجھ سے۔ میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا۔"
"تو میں نے تمہیں ایسا کیا کہہ دیا۔ جو تم اتنا برا مان گئیں۔ صرف یہی تو کہا ہے کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ جیسے رکھتی رہی ہو اب تک۔۔۔ اچانک سے تمہیں میری اتنی فکر کیوں ہونے لگی۔" سوہا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔
"مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہاری فکر میں گھلنے کی۔ غلطی کی جو پوچھنے چلی آئی۔ میری فکر کے لیے میرا شوہر ہی کافی ہے۔ تمہاری طرح نہیں کہ میاں کب آ رہا ہے' کب جا رہا ہے۔ کوئی پروا نہ کوئی فکر۔۔۔"
سوہا کا ضبط جواب دے گیا۔ جب ہی اس نے ایک کی چار سنا ڈالیں۔ نائلہ تلملا کر ابھی کچھ اور بھی کہتی' لیکن سوہا وہاں رکے بغیر سیڑھیاں چڑھتی کمرے میں آ گئی۔ نائلہ کی بولتی تو اس نے بند کر دی تھی۔ لیکن کمرے تک آتے آتے اپنے آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکی۔ اور بیڈ پر گر کر سسک اٹھی۔
دوسری طرف نائلہ پیچ و تاب کھاتی' یہ سوچ رہی تھی کہ سوہا کتنی گھنی ہے۔ بظاہر معصوم اور انجان بنی رہتی ہے۔ مگر اصل میں ہے نہیں۔

جانے انجانے میں سوہا کی بات نے اس کے اندر کوئی الارم سا بجا دیا تھا۔

عفت کے سسرال والے زیادہ ہی جلدی مچا رہے تھے۔ جبھی منگنی کے بجائے تیسرے ہی دن نکاح کا عندیہ کہلا بھیجا۔ اماں کے ہاتھ پاؤں جو پھولے سو پھولے' اوپر ماہا' امی اور سوہا بھی اپنی اپنی جگہ پر کچھ بوکھلا سی گئیں۔ لڑکے والوں کا شدید اصرار تھا کہ ہفتے کے آخر میں اتوار والے روز نکاح رکھ لیا جائے۔ تاکہ رخصتی بھی جلد از جلد عمل میں لائی جاسکے۔

بھلے مانس لوگ ہی تھے۔ جو جہیز کے نام پر ایک تنکا بھی لینے سے صاف انکار کردیا۔ ان کے بقول انہیں تو بس ایک خاتون خانہ کی ضرورت تھی۔ جو ان کے بیٹے اور پوتے کو اپنی محبت کا سہارا دے اور سنبھال لے۔

"انہیں بھلا کیا معلوم جس کا اپنا دل محبت کے جذبے سے خالی ہوچکا۔ وہ بھلا اپنے کھوکھلے وجود اور جھوٹے لفظوں سے کیا کسی کو سنبھالا دے گی۔"

عفت نے ایک گہری آہ بھر کر سوچا۔ پھر ہاتھ میں تھاما فون اماں کی طرف بڑھا دیا۔ نائلہ کی کال آرہی تھی۔ اس نے دانستہ بات کرنے سے گریز ہی کیا۔

اس میں ہمت نہیں تھی کہ نائلہ کی باغیانہ' اکساتی ہوئی سوچوں کا مقابلہ کرسکتی۔ اسے یاد تھا نائلہ کو رنڈوے اور دوہاجو مردوں کے رشتوں سے کتنی چڑ تھی' وہ انس کو دل سے پسند کرتی تھی۔ جبھی وہ نہیں تو اس جیسا ہی دوسرا چاہتی تھی اور قدرت نے اس کے دل کی خواہش پوری بھی خوب کی۔ وہ نہیں لیکن ہو بہو اس جیسا ہی دوسرا عطا کردیا۔ اب یہ نائلہ کی ناشکری ہی ہوتی اگر وہ اس پر بھی خوش نہ ہوتی تو.....

"کہہ رہی تھی۔ خوامخواہ میں دیر مت کریں۔ اگر لڑکے والے کہہ رہے ہیں تو' نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب بارات لے کر آئیں گے۔ تب بھی تو کرنا ہی ہے ناں! نیک کام میں دیر نہ کریں۔"

فون بند کرکے اماں نے خوشی خوشی نائلہ کی بات دہرائی۔

عفت نے بے حد خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھا اور اس کے دل میں برف گرنے لگی۔

"سنیچر کو آرہا ہے۔ انس! وہی دیکھ لے گا سب انتظامات۔ نائلہ کہہ رہی تھی۔ وہ خود بات کرے گی انس سے۔ حدید آج کل آفس میں بہت مصروف ہے۔ صبح کا نکلا رات گئے آتا ہے۔ وہ تو شاید نکاح میں بھی نہ آسکے۔" اس کا وجود منوں وزنی برف کے نیچے دب کر گھٹنے لگا۔

"یہی ہوگا اب زندگی کا رنگ شاید..... سفید بالکل سفید۔"

اس نے ماہا کو ہاتھ میں کسی چیز کا پیالہ اٹھائے اپنے برابر میں بیٹھتے دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہولے سے مسکرائی تھی۔

"چلو.... بہتر ہے.... سیاہ تو نہیں ہوگا نا!"

اپنی فطرت اور عادت کے عین مطابق اس نے ٹھٹھرتے ہوئے دل کو کسی تسلی کی آنچ دینے کی کوشش کی تھی۔

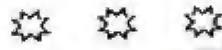


ہفتے کے روز شام تک انس نے کراچی آنا تھا۔ سوہا صبح سے ہی اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ آتشی گلابی اور فیروزی کنٹراسٹ کے بھڑکتے رنگوں والا سوٹ' میچنگ جیولری اور لپ اسٹک اس نے پہلے ہی تیار کرکے ڈریسنگ پر سجا لیے تھے۔ گلابی اور فیروزی چوڑیاں' جو جانے کب سے اس کی ایک نظر التفات کی منتظر تھیں۔ اپنی قسمت جاگنے پر کھنک اٹھیں۔

اس کے لبوں پر ایک مستقل مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔ جسے جدا کرنا خود اس کے اپنے ہی بس سے باہر تھا۔ وہ

کتنی ہی دیر تصور میں انس سے باتیں کرتی آپ ہی آپ تنہائی میں مسکراتی رہی۔
"میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ ہر پل' ہر لمحہ' ہر منٹ' ہر دن' بس آپ کی یاد میں گزرا۔"
خیالوں میں انس سے باتیں کرتی وہ اتنی دور نکل گئی کہ نائلہ کب کمرے میں آئی اور کب تک اسے یوں خود سے باتیں کرتے دیکھ کر اندر ہی اندر جلتی کلستی رہی۔ اسے ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔ چونکی تو وہ تب' جب نائلہ نے دروازہ بجایا۔ وہ پلٹی۔ پھر نائلہ کو کھڑا دیکھ کر اس کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔ خود نائلہ کے تاثرات بھی ایسے ہی تھے۔

"میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔ کل کے لیے کچھ چیزیں لینے۔ دروازہ بند کر لینا۔"
ایک گہری جتاتی ہوئی نگاہ اس کے سامان' تیاری اور وجود پر ڈال کر وہ رکی نہیں۔ فوراً" پلٹی اور پھر تیزی سے صحن پار کر گئی۔
سوہا نے فوراً" اس کے پیچھے جانے کے بجائے کچھ دیر رک کر انتظار کیا اور جب یقین ہو گیا کہ اب نائلہ گھر سے باہر جا چکی ہو گی۔ تب ڈریسنگ کے سامنے سے ہٹی۔ وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔
"اف اللہ! ابھی صرف تین ہی بجے ہیں۔ کتنے گھنٹے باقی ہیں۔ انس کے آنے میں۔"
مرے مرے قدموں سے دروازے پر آ کر لاک لگایا اور نیچے لاؤنج میں ہی صوفے پر گر سی گئی۔ پورے گھر کی خاموشی اور سکون نے اس کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا اور اسے نیند میں جاتے دیر نہیں لگی۔



موسم بدل رہا تھا۔
شام کے سائے تیزی سے گہرے ہونے لگتے تھے۔ ابھی بھی بھری دوپہر کا وقت تھا۔ لیکن دوپہر کے چہرے پر زردی کھنڈنے لگی تھی۔ اور خود اس کے اپنے چہرے پر جیسے کسی نے سفیدی پوت دی تھی۔ وہ بالکل کسی مردے کی سی بے تاثر آنکھوں سے باہر دوڑتے بھاگتے مناظر پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ آدھا چہرہ سیاہ چادر میں چھپا تھا۔ جسے ایک سرے سے اس نے الٹے ہاتھ میں سختی سے دبوچ رکھا تھا۔ جبکہ سیدھا ہاتھ برابر میں چپک کر بیٹھے مرد کے ہاتھ میں دبا تھا۔
ٹیکسی کا سفر بڑے آرام سے جاری تھا۔ اور اس کا دل ٹیکسی کی رفتار سے دگنی رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا۔ ایک جھٹکے سے ٹیکسی رکی۔ اس نے باہر نگاہ دوڑائی۔
"آہ۔" ایک زخمی سانس اس کا کلیجہ چھلنی کرتے ہوئے باہر نکلی۔
یہ وہی جانی پہچانی جگہ تھی۔ جہاں آج سے کئی مہینوں پہلے اس نے خود پر سیاہ بختی کے دروازے اپنے ہاتھوں سے کھولے تھے۔ لمحہ بھر کو اس کا دل چاہا کہ بھوکی شیرنی کی طرح برابر میں بیٹھے شخص پر جھپٹ پڑے۔ اپنے لمبے ناخنوں سے اس کی شہ رگ پکڑ کر خون پی جائے۔ اور جب اس کی روح جسم سے پرواز کر جائے تو اس کا چہرہ کھسوٹے' وجود بھنبھوڑے اور بوٹی بوٹی کر ڈالے۔ لیکن.....
اسے اپنے انسان ہونے پر ہی افسوس ہونے لگا۔ ہائے رے کم عقل انسان.....
جو فتنہ بھی ہے اور فرشتہ بھی۔ جو عابد بھی ہے اور ابلیس بھی۔ سیانا بھی ہے اور سودائی بھی۔
پوری زندگی اپنے بننے اور بگڑنے سے اپنے رب کو نہیں پہچان پاتا اور نہیں جان پاتا کہ جن چیزوں پر ماتم بپا کر رہا ہے۔ ان کا شکر واجب ہے اور جن راہوں سے زندگی میں بچ کر چلنا ہے۔ ان ہی راستوں پر منزل کی تلاش میں دوڑا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی تھک جاتی ہے۔ ہار کر گر پڑتی ہے اور پھر ساکت ہو جاتی ہے۔

زندگی۔۔۔ جو کسک بھی ہے اور کسوٹی بھی۔ جو خواہش بھی ہے اور خلش بھی۔ یہی زندگی۔۔۔ اگر انسان چاہے تو' توبہ بن جائے ورنہ تماشا بنتے دیر نہیں لگتی۔

جیسے نائلہ کا بن رہا تھا۔ تماشا' بنا تماشائیوں کے۔ اس نے توبہ کرنے میں شاید دیر کردی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑے سسک رہی تھی۔ اور ایک ابن آدم اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔



جانے کتنی دیر گزری تھی۔

اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی گہری نیند میں چلی گئی تھی کہ جب اٹھی تو بے طرح ہڑبڑا کر خود پر جھکے وجود کو پرے دھکیلا۔

آنے والا بھی شاید اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑاتے ہوئے سنبھلا اور پھر ہنس دیا۔

"ارے ارے کیا ہوگیا بیگم صاحبہ! کیا گرانے کا ارادہ ہے۔"

وہ صوفے پرے اٹھ کر کھلے منہ سے بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے تو شام میں آنا تھا۔ لیکن وہ وقت سے پہلے ہی آگیا تھا۔

سوہا کو یقین کرنے میں ذرا دیر لگی۔ لیکن جیسے ہی یقین آیا۔ ایک چیخ مار کر بے تابانہ اس سے لپٹ گئی۔

محبت کے اظہار کا بڑا بے اختیار سا انداز تھا۔ انس نے بھی کنجوسی نہیں دکھائی۔ کتنا سمے گزرا کچھ اندازہ نہیں تھا۔ دل کر رہا تھا کہ وقت یہیں تھم جائے اور کائنات ان دو لوگوں پر بس ہو جائے۔ نہ کوئی غم رہے باقی۔ نہ کوئی فکر نہ کوئی خیال نہ پروا۔۔۔

"کھانا کھا چکے ہیں۔ یا کھائیں گے۔" کافی دیر کے بعد اسے خیال آیا تھا۔

"ابھی نہیں کھایا۔" اس نے فرصت سے پاؤں پسارے۔

"میں لے کر آتی ہوں ابھی۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ انس نے اسے ہاتھ تھام کر روک لیا۔

"ابھی مت جاؤ۔ میرے پاس بیٹھو' باتیں کرو۔" وہ مسکرادی۔



گہرا ہوتا اندھیرا دن ڈھل جانے کی چغلی کھا رہا تھا۔

اس نے جلتی ہوئی آنکھوں کو مسلا۔ پھر سامنے پڑی ہوئی چینک سے باقی ماندہ ٹھنڈی چائے پیالی میں انڈیل کر لبوں سے لگالی۔

ایک ٹھنڈا بدمزا مائع لبوں سے حلق کے راستے اندر اترتا چلا گیا۔

جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ اس ہوٹل میں تنہا بیٹھے وقت برباد کرتے۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ نہ وہ اندازہ کرنا ہی چاہتا تھا۔ وہ تو بس اسی طرح یہاں وہاں چھپتے فرار کی راہوں پر دوڑتے ہوئے زندگی تمام کردینا چاہتا تھا۔

"میری شریک حیات میری پسند نہیں اور اس کو بھی میں پسند نہیں۔ یہاں تک کہ اسے میری قربت بھی پسند نہیں۔ میرا نزدیک آنا پسند نہیں۔ میں تو اسے قبول کرنے کو تیار تھا۔ پر اسے ہی سمجھوتے کی راہ پر چلنا منظور نہیں۔ اب کریں تو کیا کریں اور جائیں تو جائیں کہاں۔ بس۔۔۔ یہ ہے میری زندگی کا۔۔۔"

"حدید!"

اس کی نہ صرف سوچیں ادھوری رہ گئیں۔ بلکہ بڑی زور کا جھٹکا لگا۔ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھے

اسے پکارنے والا کوئی اور نہیں۔ انس تھا۔ حدید ایک دم گھبرا سا گیا۔

"انس تم یہاں!"

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہیے۔ تم اور یہاں۔"

اس نے بے حد عام سے انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے استفسار کیا اور اس کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک تیسرے درجے کا چائے والا ہوٹل تھا۔ جو گھر کے نزدیک ہی تھا۔ وہ اور حدید کبھی کبھار یہاں چائے پینے آجاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصے پہلے یہاں غلط قسم کے لوگوں کی محفلیں جمنے کے بعد سے چھوڑ دیا تھا۔

حدید نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ اس لیے پوچھنے کی تو ضرورت نہیں۔ لیکن ایسا بھی کیا مسئلہ ہے بھائی جو گھر پر حل نہیں ہو سکتا۔ یا جو مجھے بھی بتایا نہیں جا سکتا۔"

حدید کو پتا تھا۔ وہ بس تب تک ہی چھپ سکتا تھا۔ جب تک انس سے سامنا نہیں ہو جاتا۔ ایک بار اس نے پکڑ لیا تو اگلوا کر ہی چھوڑے گا۔ اس کے اعصاب پہلے ہی تھکن زدہ تھے۔ اس لیے مزاحمتیں لڑائی سے پہلے ہی دم توڑ گئیں۔

یہ محبت بھرا پر حدت لمس اس بات کی ڈھارس تھا کہ وہ جو بھی بات کہے۔ انس اسے سن لے گا۔ آرام سے تحمل سے۔ وہ وہاں سننے کے لیے ہی آیا ہے۔ اسے حدید سے معلوم کرنا ہے کہ اسے کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے اور آخر ہے کیا مسئلہ۔ کہ وہ اپنے بھائی تک سے کہنے میں متامل ہے۔

سوہا نے اسے بہت تفصیل اور فکر مندی سے حدید۔ کے گھر سے غائب رہنے اور نائلہ کے عجیب و غریب رویے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ بات گھر کی ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کی ہی ہے۔

"بول بھی دو اب۔ اتنا بھی کیا سوچنا۔"

حدید ہنوز اپنی انگلیاں آپس میں جوڑے انگوٹھوں کو ایک دوسرے سے دھیرے دھیرے مسلتا رہا۔ انس نے کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ پھر اس کے ہاتھوں پر رکھے اپنے داہنے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

"میں سن رہا ہوں حدید!"

حدید نے ایک گہری سانس لے کر اپنے وجود کی عمارت کو ڈھاتا ہوا محسوس کیا۔ اسے یوں لگا۔ جیسے اسے اسی ایک جملے کا انتظار تھا۔ اسے ایک سامع کی تلاش تھی۔ اسے ایک کھوجی چاہیے تھا۔ وہ ایک سراغ رساں ڈھونڈ رہا تھا۔

ایک شخص جو اس کا انتظار ختم کر دے۔ اسے سنے۔ اس کا کھوج لگائے اور اس کی بے چینی و بے کلی کا سراغ پالے۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں سر اٹھایا۔

"انس! میں... نائلہ کے ساتھ نہیں رہ سکتا میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔"

الفاظ اس کے لبوں سے تیر کی طرح نکلے اور انس کی سماعتوں میں پیوست ہو گئے۔ اس کے ہاتھ کی گرفت فوری طور پر ڈھیلی پڑ گئی۔

حدید کے چہرے پر اس قدر شکست و ریخت کے آثار تھے کہ اصل تحریر پڑھنا ناممکن ہی تھا۔ اسے یقین کرتے ہی بنی۔

"لیکن... کیوں۔" بمشکل تمام انس کے لبوں سے لفظ خود کو چھڑا کر پھڑپھڑاتے ہوئے نکلے۔

"کیونکہ میں عفت کو اپنانا چاہتا ہوں۔"

دھماکا اب ہوا تھا اور یہ دھماکا ' دنیا کے ان خاموش ترین دھماکوں میں سے ایک تھا۔ جو سب سے خطرناک اور سب سے زیادہ تباہی پھیلاتے ہیں۔ اور جن کے نتائج سب سے زیادہ حتمی سب سے بڑھ کر منفی ' سب سے دیرپا اور دوررس ہوتے ہیں۔



نائلہ کی واپسی اتنی دیر سے ہوئی تھی کہ سوہا کے ذہن سے یہ بات ہی نکل گئی تھی کہ وہ مارکیٹ کا کہہ کر نکلی تھی اور اب مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

جتنی دیر میں اس نے جا کر دروازہ کھولا وہ جلدی جلدی تین بار دھڑدھڑا چکی تھی۔ سوہا نے خود کو ایک بار پھر اس کی تلخ ترش سننے کے لیے تیار کرلیا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر وہ بنا کچھ کہے نظریں جھکائے سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ سوہا نے بمشکل تمام خود کو اس کے پیچھے جانے سے باز رکھا۔ لیکن دل میں آئی کھٹک کو نکالنے سے وہ مکمل طور پر قاصر تھی۔

نائلہ کا حلیہ قابل اعتراض تو نہیں لیکن قابل تعجب ضرور تھا۔ کیونکہ اس نے کالے رنگ کی شال کا نقاب سختی سے چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔

دوسری بات یہ کہ صرف لحظہ بھر ہی اس نے جھانک کر سوہا کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور پھر نظریں جھکالی تھیں۔ سوہا نے اس لمحہ میں اس کی آنکھوں کی سرخی اور سوجن نوٹ کرلی تھی۔ اور تیسری اور سب سے اہم بات یہ کہ نائلہ اس طرح نظریں جھکا کر جانے والی عورت کبھی بھی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری اور بے باکی سے بات کرتی تھی۔ کہاں اب نظریں چرا کر گزر جانا۔

حدید بھی سارا سارا دن گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ اسے اب اس بات کا خیال آرہا تھا کہ اس نے کئی دنوں سے دونوں کو ایک دوسرے سے بات تک کرتے نہیں دیکھا تھا۔

مٹھی میں دبے سیل کی بیپ نے اس کا دھیان ہٹادیا۔

"کتنی دیر میں آؤگی۔" ماہا کا میسج جگمگا رہا تھا۔

اسے اور انس کو آج رات امی کی طرف جانا تھا۔ ان کا رات کا کھانا وہیں تھا۔ اسے آج رات رکنا بھی امی کے گھر تھا۔ انس البتہ اسے چھوڑ کر واپس آجاتا۔ لیکن ذرا دیر پہلے انس کسی کام کا کہہ کر نکلا تھا۔ اور ابھی واپس نہیں آیا تھا۔

"کچھ پتا نہیں ہے ' پتا نہیں کہاں چلے گئے ہیں یہ۔"

جواب دیتے وقت اسے اچانک ہی جھنجلاہٹ نے گھیرا۔ وہ بے اختیار ہی انس کو فون ملانے لگی۔

کافی دیر بیل جاتی رہی۔ لیکن فون ریسیو نہیں کیا گیا۔ اس نے شدید بے زار ہو کر لائن کاٹ دی۔



عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ گھر میں ایک خاص قسم کی چہل پہل کا احساس تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ماہا اور سوہا دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گھر کے نچلے پورشن میں رونق لگائے بیٹھی تھیں۔

ماہا عفت کے چہرے پر جانے کس چیز کا مساج کررہی تھی۔ سوہا ہر تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی چٹکلا چھوڑ دیتی۔ ماہا کھل کر ہنستی۔ جبکہ عفت پر کچھ بھی بولنے کی پابندی تھی۔ یوں بھی اس کا بولنے یا بات کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔

مستقبل کے جن اندیشوں اور خوف سے لڑکیاں پریشان ہوتی ہیں۔ وہ اس کے پاس بھی نہیں کھٹکتے تھے۔ بلکہ

اس کے بجائے ایک عجیب اور نامحسوس سے اداسی اور اکتاہٹ اس کی گرد حصار باندھے رکھتی۔

"نائلہ کو بھی لے آتیں نا! تم۔"

ان لوگوں کی کھلکھلاہٹ کو، تائی اماں کی آواز نے بریک لگایا۔

"وہ تائی امی ہم نے تو کہا تھا۔ لیکن اس نے حدید بھائی کی وجہ سے منع کر دیا۔" چند لمحوں بعد سوہا نے ہی وضاحت پیش کی۔

"عجیب لڑکی ہے۔ مجھے تو اس کی سمجھ نہیں آتی۔ بس کی بات چیت طے ہو گئی کل نکاح سر پر کھڑا ہے۔ اور یہ ہے کہ کوئی خیر خبر ہی نہیں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے آکر بیڈ پر بیٹھیں۔ ان کے ہاتھ میں نکاح کے جوڑے اور زیور کے ڈبے تھے۔

"سامان آگیا تھا عفت کا آج دوپہر میں۔"

"ارے واہ! تم نے بتایا تک نہیں۔"

ماہا بھی لاعلم تھی۔ اس نے اپنائیت سے عفت کو گھورکا۔ عفت کی نظریں پھریں۔ لمحہ بھر کے لیے ماہا کے چہرے سے ٹکرائیں۔ اس کے ہونٹ ذرا کی ذرا دائیں بائیں پھیلے اور پھر واپس اپنی جگہ پر آگئے۔

ماہا نے نگاہوں کے اس لمحہ بھر کے ٹکراؤ سے دل کی کیفیت بدلتے محسوس کی۔

"ارے تم سو رہی تھیں۔ میں نے ہی منع کر دیا اور پھر' صرف بری بس ہی آئی تھیں اس کی اپنی بچی کے ساتھ 'زیادہ دیر بیٹھی بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ گھر پر بھی بہت کام ہیں۔"

تائی اماں تفصیل بتا رہی تھیں۔ ان کے تھکن زدہ لہجے میں بھی ایک عجیب سی خوشی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔

سوہا نے ڈبا کھول کر سوٹ نکالا۔ ہلکے سرمئی اور گلابی رنگ کے کنٹراسٹ کے ساتھ ہلکے کام سے مزین سوٹ ایک نظر دیکھنے میں ہی اچھا لگ رہا تھا۔

"ہم۔۔۔ م سوٹ تو بہت پیارا ہے بھئی عفت!" وہ دوپٹا خود پر پھیلا کر دیکھنے لگی۔

"اوہ! میچنگ سینڈل' جیولری' چوڑیاں۔۔۔ ماشاء اللہ ہر چیز ہی آئی ہے اور سب کچھ ہے بھی بہت اچھا۔" اس کی نظروں میں ہی نہیں' لہجے اور آواز میں بھی ستائش بولنے لگی۔

"چلو اس سے ایک فکر تو کم ہوئی۔ بری ان شاء اللہ اچھی ہوگی۔"

ماہا نے بھی ہاں میں ہاں ملا کر عفت کو دیکھا۔ اس کے لبوں پر ایک بھولی بسری مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"کیسا لگا تمہیں۔" تائی اماں عفت کے منہ سے بھی تعریف سننا چاہتی تھیں۔ یا پھر۔۔۔ جانے کیا سننا چاہتی تھیں۔

"اچھا ہے۔۔۔ سب کچھ۔" اس نے دھیرے سے کہہ کر سر جھکا لیا۔

تائی اماں نے یک لخت اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کو سینے میں بھینچ لیا اور سسک پڑیں۔

"میری بیٹی خود بھی بہت اچھی ہے۔ اللہ میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔"

ان کے رندھے ہوئے گلے سے ممتا کے پھول جھڑے۔ اور سب کی آنکھیں نم کر گئے۔ ماہا اور سوہا نے ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنی اپنی آنکھیں صاف کیں۔ پھر سب سے پہلے ماہا ہی خود کو سنبھال کر تائی اماں کی جانب بڑھی تھی۔ لمحوں کی خاموشی صدیوں سے زیادہ وزنی تھی۔

"ارے تائی امی کیا ہو گیا آپ کو۔ یہ کیا کیا آپ نے۔ خوشی کے موقع پر آنسو کیوں بھئی۔ اور یہ دیکھیں ذرا۔۔۔"

اس نے عفت کو پیچھے کر کے تائی اماں کے دوپٹے پر لتھڑا ہوا ماسک دکھایا۔

"تم نے اپنے بوتھے کے ساتھ ساتھ تائی امی کے دوپٹے کا بھی فیشل کر ڈالا۔" سوہا ایک بار پھر کھلکھلا اٹھی۔

دوسرے کمرے میں تایا ابو کے پاس بیٹھا ان سے خیر خیریت پوچھتا انس چونک گیا۔ برابر والے کمرے سے یہاں ساری آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اور ان آوازوں سے سب سے واضح آواز سوہا کے بار بار ہنسنے کی تھی۔ ماہا بھی بول رہی تھی۔ البتہ عفت کی ایک بار بھی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ وہ بات کرتے کرتے یک لخت خاموش ہوگیا۔

اسے کچھ یاد آگیا تھا۔ کوئی بات 'کوئی چہرہ' کوئی انکشاف.... اس کے دل میں راکھ جھڑنے لگی۔

وہ جاننے کے باوجود حدید کو 'عفت کے نکاح کے بارے میں نہیں بتا پایا تھا۔



نکاح کی تقریب جاری تھی۔ آج نائلہ بھی وقت سے پہلے آکر ان لوگوں کے ساتھ تیاری میں شریک ہوگئی تھی۔ انس نے اس سے حدید کا پوچھا تھا۔ حسب توقع اس کا جواب یہی تھا کہ وہ صبح ناشتے کے بعد آفس چلے گئے تھے۔ اتوار کو اوور ٹائم کرنے۔ پھر اس کے بعد جب شام تک واپسی نہیں ہوئی تو مجبوراً" نائلہ کو رکشے میں اکیلے ہی آنا پڑا۔ کیونکہ تائی اماں نے فون کرکے اسے عاجز کر رکھا تھا۔ بقول خود اس کے۔ انس پوری بات سن کر چپ سا رہ گیا۔ اب جب کہ وہ حدید کے دل کے حال سے واقف ہی ہوچکا تھا تو کیا کہتا۔

تمام انتظامات احسن طریقے سے مکمل ہوچکے تھے۔ نائلہ اور عفت کے ننھیال میں ایک ان کی خالہ ہی تھیں۔ انس اور حدید جن کے بچے تھے۔ اور ددھیال میں سوہا اور ماہا اور ایک عدد دور کی پھوپھی تھیں۔ جو اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ تشریف لاچکی تھیں۔

عفت کے سسرال والے بھی آچکے تھے۔ چھوٹے سے گھر میں وہ ہلچل اور رونق تھی۔ کہ بس۔ ماشاء اللہ۔

آج تو بات بے بات تائی اماں کے لبوں سے مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔ ماہا نے بصد اصرار اس کا میک اپ اپنی ایک اسکول کولیگ کو بلا کر کروایا تھا۔ عفت اس وقت تقریب کی مناسبت سے بے حد پرکشش لگ رہی تھی۔ نہ تو اس کا میک اپ دلہنوں کی طرح بھاری اور گہرا تھا۔ نہ کپڑے۔

جس نے بھی دیکھا بے ساختہ تعریف کی۔

تب ہی خوشگوار ہلچل کے درمیان ذرا سا شور بلند ہوا۔ مولوی صاحب آگئے تھے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی جب ابا' انس' اور پھوپھو کے بیٹے کے ساتھ چند اور دوسرے لوگوں نے کمرے میں قدم رکھا۔ ان سب سے آگے اماں تھیں۔ اور ان سے ذرا پیچھے مولوی صاحب بھی۔



گھر پر تالا پڑا ہوا تھا۔ اس نے تعجب سے دیکھا۔ پھر تالے کو مٹھی میں دبا کر کچھ دیر وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

"کہاں چلے گئے سب۔ اور نائلہ بھی۔"

لگتا تو یہی تھا کہ چونکہ انس پورے ایک ہفتے بعد حیدر آباد سے واپس آیا تھا تو سوہا کو لے کر اس کے گھر چلا گیا ہوگا۔ لیکن نائلہ کہاں جاسکتی ہے۔ اور وہ بھی اکیلی۔

اس نے کل رات بھی پیش رفت کی تھی۔ اور پہلے ہی کی طرح اپنے کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔ حدید رات میں اٹھ کر ٹی وی چلا کر بیٹھ گیا تھا اور چونکہ سوہا اور انس کے دیکھ لیے جانے کا ڈر نہیں تھا۔ اس لیے اس نے نہ صرف نائلہ کی منتیں کرنے پر اس کو بری طرح جھڑک دیا تھا بلکہ اس کا ہاتھ بھی اٹھ گیا تھا۔ وہ تو آخری لمحات میں جانے کس چیز نے اسے تھام لیا۔ ورنہ وہ ہاتھ یقیناً پوری قوت سے نائلہ کے منہ پر پڑتا۔ شاید اس کی نظروں میں

نائلہ کا پہلے سے ورم زدہ چہرہ اور ہلکی سرخی لیے ہوئے آنسوؤں بھری آنکھیں آگئی تھیں۔ اور وہ جہالت کا مظاہرہ کرتے کرتے رک گیا تھا۔

"اُف!" سارا دن کی آوارہ گردی کے بعد حال برا تھا۔

پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ تھکن اور بھوک دھمال ڈال رہی تھیں۔ اس نے چند لمحے سوچ و بچار میں ضائع کیے۔ پھر عفت کو ایک نظر۔ صرف ایک نظر دیکھنے کی خواہش ہر چیز پر غالب آگئی۔ بہانہ اچھا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو گھر پر نہ پاکر سسرال چلا آیا۔ کوئی اعتراض بھی نہ کرتا اور بات بھی بن جاتی۔

اور انسان کو ایسے وقت سے اللہ بچائے۔ جب پاسبان عقل دل کا ساتھ چھوڑے۔ اور وہ کسی مسافت کو لاحاصل جان کر بھی بے سمت راہوں پر دیوانوں کی طرح دوڑتا چلا جائے۔

جیسے اس وقت حدید دوڑ رہا تھا۔ اس کی بائیک ہوا سے باتیں کررہی تھی۔ لاپرواہی اور بے احتیاطی اپنے عروج پر تھی۔ دل کی رفتار اس سے بھی دگنی ہوچکی تھی۔ بس نہیں چلتا تھا کہ اڑ کر جائے اور اپنے اور اس کے درمیان موجود دوریاں بھسم کرڈالے۔

جب اس نے گلی کا موڑ مڑا۔ تو گھر میں کسی ہلچل کے آثار نہیں تھے۔ لیکن جوں جوں گھر نزدیک آتا گیا۔ اس نے دروازے سے کئی ایک لوگوں کو نکل کر برابر والے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ اور جب تک وہ گھر کے بالکل نزدیک پہنچا۔ تب تک برابر والے گھر کا دروازہ بند تھا۔ لیکن خالہ جان کے گھر میں جلتی ایکسٹرا لائٹس، کمروں میں بچھی چاندنیاں اور گلاب کی پتیاں، اس کی توجہ پوری طرح کھینچ چکی تھیں۔

پورے گھر میں ایک عجیب سا سناٹا بھی تھا۔ اور سانس لیتی زندگی بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی خوشی اور ملن کے گیت گاتے گاتے درمیان سے اٹھ کر چلا گیا ہے۔ اور ابھی واپس آنے والا ہے۔

اس نے ایک کمرے میں قدم رکھا۔

یہاں موجود پھیلاوا کسی تقریب کے شور شرابے کی چغلی کھا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے ڈوب سا گیا۔ اس نے صحن میں نکل کر چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک خاموشی سے جیسے ہر چیز سے ہمکلام تھی۔ اس کے قدموں کی سرسراہٹ تک اسے کانوں میں دھڑکتی سنائی دے رہی تھی۔ کوئی آہٹ اسے یوں سنائی دے رہی تھی۔ جیسے اس کے نہ چاہنے کے باوجود اس کی سماعتوں میں انڈیلی جارہی ہو۔

اس نے بہت دھیرے سے، بے حد آہستگی سے کمرے میں یوں قدم رکھا تھا۔ جیسے وہاں کوئی بھوت بیٹھا ہو۔ اور حدید کو اس کی موجودگی کا پہلے سے علم ہو۔ کمرے میں صرف ایک ہی ذی نفس تھا۔ جس کی اس کی طرف پشت تھی۔ اور جو بنا آہٹ ہوئے اسے پہچان چکا تھا۔ شاید۔ کسی شناسا خوشبو سے۔ یا کوئی مانوس احساس۔

اس نے رخ پھیرا۔ اور حدید کی حالت ایسی ہوگئی۔ جیسے اس نے واقعی میں کوئی بھوت دیکھ لیا ہے۔



مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام برابر والے گھر میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کے اپنے گھر میں اتنی گنجائش نہیں تھی۔ پڑوسیوں نے اس موقع پر اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے حق ہمسائیگی ادا کیا تھا۔ یہاں بھی چاندنیاں تھیں۔ اور ان پر بچھے لمبے لمبے دسترخوان۔

مہمان گو کہ بہت زیادہ نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی جب سب کو ایک ساتھ سرو کرنے کا وقت آیا تو صرف سوہا، ماما اور انس ہی لگے رہے۔ نائلہ دیگ میں سے بریانی کی ٹرے بھر بھر کر نکالتی رہی۔ انس کو اس نے یہ کام کرنے سے خود ہی منع کردیا تھا۔ اور اب لان کے سادہ سے سوٹ میں پسینے پسینے ہوئی پڑوسیوں کے باورچی خانے میں بیٹھی

تھی۔
انس اپنے سفید جھک 'کھڑکھڑاتے کرتے کو چکنائی اور چاول کے دھبوں سے بچاتا کچن اور کمروں کے درمیان آتا جاتا کر رہا تھا۔ یہی حال ماہا کا تھا۔ جبکہ سوہا نے کچن میں نائلہ کی موجودگی کے باعث وہاں جانے سے گریز کرتے ہوئے پانی 'پلیٹیں' اور دوسری چیزوں کی کمی بیشی پر نظر رکھنے کو ترجیح دی تھی۔ وہ صرف دسترخوان اور مہمان نوازی تک محدود تھی۔
اس مصروفیت اور شور شرابے کے عالم میں جب سب کو ہی مہمانوں کی اچھی طرح تواضع اور مدارت کا خیال تھا۔ گھر کے بزرگ بھی لڑکے اور اس کی ماں بہنوں کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ برابر والے گھر میں اکیلی رہ جانے والی دلہن پر کیا گزر رہی ہے۔ اور اس وقت کیا وہ واقعی وہاں اکیلی ہے بھی؟

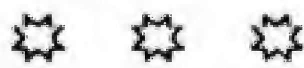


ان دونوں پتھر کے بتوں کے درمیان محض چند قدم کا فاصلہ تھا۔ جو آج یا شاید آج سے کئی مہینوں پہلے ہی ہزاروں نوری سالوں تک محیط ہو چکا تھا۔ اس کے جوڑے کا رنگ سرخ نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے ساری سرخی' اس کی آنکھوں میں اترتے دیکھی تھی۔ جو اپنے قدموں پر ایسے کھڑا تھا۔ جیسے اب گرا کہ تب۔
ایک طرف آنکھوں میں لالی تھی۔ تو دوسری طرف سمندر۔ لبوں پر مہربند خاموشی۔ اور بولتی تنہائی۔ اس نے شاید زندگی میں کبھی کسی دلہن کو دیکھ کر دل میں اتنا درد محسوس نہیں کیا تھا۔
"عفت!" اس نے پکارنا چاہا۔ لیکن سوکھتے لبوں پر صرف پپڑیاں تڑخنے لگیں۔ کتنی دیر گزری ایک دوسرے کو یوں عالم بے یقینی میں تکتے اور اپنے خزاں نصیب پر ایمان لاتے۔
یہ وہ دو لوگ تھے۔ جنہوں نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں کھائی تھیں۔ جنہوں نے ایک دوسرے سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ ایک دوسرے کو کوئی آس نہیں دلائی تھی۔ نہ کچی نہ چھوٹی لیکن۔ لیکن پھر بھی۔
بہت بار دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ انہوں نے بنا کہے 'بنا سے ایک دوسرے کو جانا تھا۔ سمجھا تھا۔ لبوں سے نہیں لیکن متعدد بار نظروں میں ایک دوجے کے لیے محبت دیکھی تھی۔ پسند دیکھی تھی۔ اور کسی رسمی سے اشارے کے بغیر کسی بات چیت کے بغیر ایک دوسرے کا انتظار کیا تھا۔
مگر افسوس یہ انتظار۔ انتظار لاحاصل ہی رہا تھا۔
"یہ۔ یہ سب کیا ہے۔"
بمشکل تمام اس کے لبوں کی جنبش سے چند الفاظ نے رہائی پائی۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں۔
"یہ جنازہ ہے میرے خوابوں کا' میرے دل کی میت اور میری آرزوؤں کی بے گور و کفن لاش ہے یہ۔"
اس کا دل چاہا کہ وہ چیخ اٹھے۔ اپنا زرتار آنچل تار تار کر ڈالے۔ اور سامنے کھڑے شخص کا گریبان جھنجوڑ کر پوچھے۔
"کہاں تھے اب تک۔ اور کیوں آئے ہو اب۔ میرا تماشا دیکھنے۔"
اس کے لب جو خاموشی کا قفل لیے بیٹھے تھے۔ خاموش ہی رہے۔ وہ اب کسی اور کی عزت تھی۔ اور اس عزت کے تقاضے وفا کی ردا اوڑھے اس سے کچھ اور تقاضا کر رہے تھے۔
"یہ سب وہی ہے۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"
حدید نے اسے دیکھا' اسے سنا۔ لیکن شاید کچھ سمجھا نہیں۔ یا شاید سمجھنا ہی نہ چاہا۔

"لیکن... لیکن عفت یوں... اتنی اچانک... کسی نے مجھے بتایا تک نہیں۔"
الفاظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے اور اس کی کرچیاں سامنے کھڑی دلہن کی آنکھوں میں پیوست ہو گئیں۔
"آپ... آپ کو بتانے کا فائدہ بھی کیا تھا۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے ایک شکوہ نکل ہی گیا۔ حدید کا دل جیسے کسی مٹھی میں دبا دیا۔
"عفت! میں..."
وہ ایک دم بڑھ کر عفت کے قریب ہوا۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ عفت کے ہاتھ تھامنے کو اٹھے۔ مگر وہ اسی طرح رخ موڑ گئی۔

"اگر کسی کو آپ کی یہاں آمد کا علم نہیں۔ تو بہتر ہوگا کہ واپس لوٹ جائیں۔" وہ جہاں تھا وہیں تھم کر رہ گیا۔
"آپ کا حلیہ چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ آپ میرے نکاح میں شریک ہونے نہیں آئے۔"
"نکاح!؟"
اس کی بے آواز سرگوشی میں کتنی تکلیف بھری حیرت تھی۔
"میں کسی اور کی امانت ہوں اب۔ اور آپ بھی کسی اور کے محرم ہیں۔ ہم دونوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ اپنے اپنے مرکز کی طرف لوٹ جائیں۔"
وہ اس کی طرف سے پشت کیے کھڑی تھی۔ اس کا کاجل پھیل چکا تھا۔ سنگھار بہہ رہا تھا۔ آنکھیں بھرتی تھیں۔ پھر خالی ہو جاتی تھیں۔ پھر بھرتی تھیں۔
وہ ہارے ہوئے جواری کی مانند اپنا سب کچھ لٹا کر نامراد وہاں کھڑا تھا۔ جہاں کھڑے رہنے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔
بنا پلٹے وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ عفت نے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسے ضرورت تھی بھی نہیں۔
حدید کچھ لمحے یونہی اسے دیکھتا رہا۔ نائلہ کے زندگی میں آجانے کے بعد بھی اس نے کبھی اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلوں کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ لیکن آج۔ آج وہ اسے کتنی اجنبی، دور اور پرائی لگ رہی تھی۔
اس نے کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ یہ کتنی عام سی بات تھی۔ جیسے وہ کسی اور کا ہو گیا۔ ویسے ہی آج عفت بھی کسی اور کی۔
اس سے آگے سوچنا محال تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں میں بڑھتی دھندلاہٹ کو پوروں پر سمیٹا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔
عفت اس کے نکلنے کے بعد پلٹی۔ تیزی سے بڑھ کر دروازے کی دہلیز تک آئی تو وہ بیرونی دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ دروازے سے لپٹ کر سسک پڑی۔

پیار ہے یا سزا! اے میرے دل بتا!
ٹوٹتا کیوں نہیں درد کا سلسلہ!



سوہا بہت دیر سے امی کو بے چین سا دیکھ رہی تھی۔
موسم تو خیر گرم ہی تھا لیکن، انہیں حد درجے پسینے آرہے تھے۔ اس نے امی کی طبیعت کو کچھ بہتر محسوس نہیں کیا تو، ماما سے یہ کہنے کے لیے نظریں دوڑائیں کہ امی کو گھر لے جائے۔

تقریباً" سب ہی لوگ کھانا ختم کر چکے تھے۔ پڑوسیوں کی ایک چھوٹی لڑکی بہت منع کرنے کے باوجود دستر خوان سمیٹنے میں مدد کر رہی تھی۔ جب کچن سے نائلہ نکلی۔ سوہا نے دیکھا وہ سر سے پیر تک پسینے میں شرابور تھی۔
اپنی پر خلوص فطرت کے تحت اس کے دل میں فوراً" ہی اس کے لیے ہمدردی جاگی۔ اتنے میں اسے نزدیک آتا دیکھ کر اس نے نظریں پھیر لیں۔ وہ اس سے ہمدردی اور محبت کے چکر میں کئی بار منہ کی کھا چکی تھی۔
نائلہ دانستہ یا غیر ارادی طور پر اس کے برابر میں ہی آکھڑی ہوئی۔ سوہا نے خود کو فوراً" ہی سخت بے آرام محسوس کیا۔ اس نے دوسری طرف رخ پھیرا تو انس پر نظر پڑی۔ جو معراج کے پاس بیٹھا فرائض میزبانی ادا کر رہا تھا۔ معراج یقیناً" اچھے مزاج کا شخص تھا۔ چند سال پہلے شادی ہو جانے کی وجہ سے وہ انس سے عمر میں بڑا دکھ رہا تھا۔ لیکن اتنا زیادہ نہیں۔
انس اس سے بات کر کے اٹھا تو سوہا کو خود کو گھورتا پا کر فوراً" ہی نزدیک آیا۔
"کیا بات ہے۔ نظر لگاؤ گی کیا۔" سوہا ایک دم جھینپ کر مسکرا دی۔
"میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"
"اچھا مثلاً" کیا۔" وہ ایسے اترا کر پوچھنے لگا جیسے اسے یقین ہو کہ سوہا محبت بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی اور اب بات بنا رہی ہے۔
"اوہو ایسا کچھ خاص نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔
"یہ کہو ناں کہ اب جھوٹ بول کر بات بنائی نہیں جا رہی۔"
"ہیں...؟... جی نہیں۔" سوہا اس کی بات سن کر کھلکھلائی۔
اسی لمحے نائلہ نے پلٹ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ اور انس 'سوہا کے دائیں بائیں قدرے فاصلے سے کھڑے تھے۔ بلکہ انس تو پھر بھی تھوڑا نزدیک تھا۔ لیکن نائلہ کے آنے کے بعد سوہا خود ہی اس سے ذرا دور کھسک کر دوسری طرف رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔
نائلہ کے اس طرح سے پلٹنے پر اس کی نظریں سیدھی انس کی نظروں سے ٹکرائیں اس ایک لمحے کے تصادم میں نائلہ کے دل میں حسرت بھری ایک ٹیس سی ابھری اور سراپا اسے اپنی لپیٹ میں لے کر سسکنے لگی۔
اس ایک لمحے میں اس کی آنکھوں میں کیسا ترسا ہوا تاثر ابھرا تھا۔ انس جو مسکرا کر سوہا کی بات سن رہا تھا۔ اسے ہنستا ہوا دیکھ کر اس کا تر و تازہ چہرہ اپنی آنکھوں میں جذب کر رہا تھا۔ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ نائلہ نے اس کے مسکراتے لب سکڑتے ہوئے دیکھے اور بجلی کی سی تیزی سے اپنی نظریں پھیر لیں۔
اس کا دماغ اسی لمحے کی زد میں آکر پورے ماحول سے کٹ گیا اور کٹی پتنگ کی طرح کئی چہروں کے درمیان ڈولنے لگا۔
"سب سے پہلے ابھرنے والا چہرہ انس کا تھا۔ پھر ابا... اماں... سوہا سے پھر اس کی ذہنی رو بھٹک کر انس سے ٹکرائی پھر... شبیر حسین... اور... اور...
"نائلہ!" ابھی اس کے جملہ حقوق اپنے نام کرنے والا ذہن تک رسائی بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے نام کی پکار پڑی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں زور سے بند کر کے کھولیں۔
ان لبوں سے اس استحقاق کے ساتھ اپنا نام سننے کی خواہش میں اس نے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے اجاڑی تھی۔ بلکہ صرف زندگی نہیں 'اس نے اور بھی بہت کچھ اجاڑ ڈالا تھا۔ اپنی ماں کا بھروسہ 'اپنی بہن کی محبت 'حدید کی رفاقت اور... اور اپنی کوکھ بھی تو...
اسے بے اختیار ایک جھرجھری سی آگئی۔

بالکل سامنے ہی وہ کھڑا تھا۔ کبھی جس کی ہو جانے کے خوابوں نے اس کی آنکھیں جلائی تھیں۔ ان جلی ہوئی آنکھوں کی راکھ آج بھی دل کے کسی سونے دالان میں اڑتی پھرتی تھی۔

"کہاں گم ہو۔ میں پوچھ رہا ہوں۔ تم نے حدید کو بتا دیا تھا۔" اس کا سر جھکا پھر نفی میں ہلا۔

"کیوں۔" اب کی بار اس نے خفگی دکھائی۔

یہ سچ تھا کہ وہ خود سے حدید کو نہیں بتا پایا تھا۔ لیکن وہ نائلہ سے اس لاپروائی کی امید نہیں کر سکتا تھا۔

"صبح کے گھر سے نکلے وہ شام تک آتے ہی نہیں۔ نہ میرا فون ریسیو کیا۔" مردہ سے لہجے میں بول کر وہ انس کو مزید بات کرنے کا موقع دیئے بغیر مہمانوں سے ایک خیر مقدمی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر ملنے لگی۔ اور انہیں اپنی معیت میں لے کر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

معراج کی ماں اور بہنیں کھانے سے فارغ ہو کر روانگی کا قصد کرنے سے پہلے ایک بار عفت سے ملنا چاہتی تھیں۔ نائلہ انہیں لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

سوہا سب کے نکلنے کے بعد تیزی سے امی کی طرف آئی۔

"امی مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ چل کر آرام کریں۔"

اس نے بولتے ہوئے تائیدی انداز میں انس کو دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ تائی اماں اور تایا ابو مہمانوں کے ساتھ گھر جا چکے تھے۔ ماہا کچن میں برتن وغیرہ سمیٹ کر باقی بچا ہوا کھانا محفوظ کر رہی تھی۔

"میں نے پروین کو کہلوا دیا تھا پہلے ہی۔ وہ آتی ہو گی برتن وغیرہ دھو دے گی۔" پڑوس والی خاتون سے امی کی اچھی سلام دعا تھی۔ انہوں نے اپنی ملازمہ کا حوالہ دے کر امی کی تسلی کروا دی۔

امی چہرے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے ذرا پھیکا سا مسکرائیں۔

"امی بس آپ فوراً گھر چلیں اور سیدھی اوپر چلی جایئے گا۔ نیچے بہت حبس ہو گا۔"

سوہا ایک دم گھبرا سی گئی۔ جلدی سے انس کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر امی کو تھام لیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی انس کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئیں، سوہا ماہا کو بتانے کچن میں چلی آئی۔

"تم بھی چلی جاؤ ساتھ ہی۔ میں بس یہ کھانا لے کر آ رہی ہوں۔" ماہا نے پوری بات سن کر مصروفیت میں جواب دے دیا۔

"اور سنو! یہ میرا موبائل بھی لیتی جاؤ۔"



امی کا بلڈ پریشر غیر متوقع طور پر بہت ہی زیادہ لو ہو گیا تھا۔ وہ کچھ عرصے پہلے ہی اس مرض میں مبتلا ہوئی تھیں۔ سوہا خفگی کا اظہار کرتی انہیں دوا کھلانے لگی۔ انس باہر نکل آیا۔ صحن سے جھانک کر نیچے لگنے والی رونق کا اختتامی منظر با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ معراج کے والدہ جانے سے پہلے اپنی بہو کے واری صدقے جا رہی تھیں۔

اس کا ذہن حدید کی غیر حاضری کو سوچ کر اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہ وہیں باہر کھڑا ان لوگوں کی آوازیں سنتا رہا اور معراج کو خدا حافظ کہنے تک نہیں گیا۔

"کیا بہانہ کیا ہو گا نائلہ نے سب سے حدید کے نہ آنے کا۔"

سیل فون سے حدید کا نمبر ملاتے ہوئے وہ مستقل یہی سوچتا رہا۔ فون بند تھا۔ وہ حقیقتاً" بری طرح جھنجلا گیا اور ایک گہری سانس بھر کے موبائل فون جیب میں ڈال لیا۔ مہمان جا چکے تھے۔ اس نے منڈیر پر کہنیاں ٹکائیں اور دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنا کر اس پر اپنی ٹھوڑی رکھ لی۔

دور آسمانوں پر پھیلی سیاہی میں کہیں کہیں تاروں کی ٹمٹماہٹ تھی اور پوری فضا میں ایک گہری محسوس کی جانے والی خاموشی سی چھائی تھی۔ دھیمے دھیمے چلتی ہوا میں کوئی اسرار تھا۔ اداسی تھی۔ یا خالی پن۔ اس کا الجھا ہوا ذہن پہچان نہیں پایا۔ ہاں البتہ وہ خوشبو کے اس جھونکے کو ضرور پہچان گیا تھا۔ جو کسی مانوس وجود سے لپٹ کر اس تک پہنچا تھا۔

"کیا ہوا۔ کیا سوچنے لگے۔"

بکھری ہوئی سوچوں کو سمیٹ کر اس نے چونکے بغیر رخ پھیرا۔ سوہا کا سجا سنورا وجود اور مہکا مہکا ترو تازہ چہرہ سامنے ہی تھا۔ اس کے اپنے جسم میں اندر تک تازگی اور توانائی سی بھر گئی۔

"پتا نہیں۔"

"پتا نہیں؟" اس نے تعجب سے دہرایا۔

"ہاں پتا نہیں کیا سوچ رہا تھا۔ تمہیں دیکھ کر سب بھول گیا۔"

اس نے بازو اس کے شانے پر پھیلایا اور محبت بھری گمبھیرتا سے کہتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا۔

سوہا بھی بنا مزاحمت کے نزدیک آکر اس کے برابر میں کھڑی ہو گئی اور منڈیر سے نیچے جھانکتے ہوئے بولی۔

"شکر ہے عفت کا بھی ڈھنگ کی جگہ رشتہ ہوا۔ ورنہ تائی امی تو بس کسی بھی راہ چلتے کو پکڑ کر اسے بیاہنے والی تھیں۔"

اس کے لہجے میں بہنوں والی مخصوص محبت اور خلوص تھا۔

"امی کی طبیعت ٹھیک ہے۔" انس کی بات بالکل الگ تھی۔

"ہاں میں نے دوا کھلا کر لٹا دیا ہے۔ بی پی لو ہو گیا تھا گرمی سے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تو پھر گھر چلیں۔" اس نے شرارت سے سوہا کو دیکھا۔

"کیوں بھئی کیوں۔" حسب توقع وہ اچھل پڑی۔

"میں تو نہیں جاؤں گی آج۔"

"چلو چلو صبح مجھے نکلنا ہو گا۔ تو کیا میں وہاں سے اکیلا چلا جاؤں گا۔"

"تو آپ کیوں جا رہے ہیں۔ آپ بھی مت جائیں نا!"

وہ بات سمجھ کر بھی انجان بننے لگی۔ انس کو بھی اس کی شرارت سمجھ آ رہی تھی۔

"تو میں رکوں گا کہاں۔"

"یہیں، دوسرے کمرے میں۔"

"پاگل ہو گیا۔ چلو۔ جا کر سامان سمیٹو جلدی۔" اس نے سوہا کے شانوں پر پھیلے بازو کو جھٹکا دیا۔

"جی نہیں۔ نہ میں جا رہی ہوں نہ آپ۔ یہیں سوئیں گے ہم۔"

"سمجھا کرو جانو! یہاں سونے میں وہ بات نہیں ہے جو۔" اس کا بازو سوہا کے شانے سے پھسل کر کمر میں رینگ گیا۔

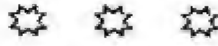
"اوں ہوں۔ ہٹیں پیچھے ماہا آ رہی ہے۔" اس نے سیڑھیوں پر چاپ سن لی تھی۔

انس نے ایک مصنوعی آہ فضا کے سپرد کی اور شرافت سے پیچھے ہٹ کے ماہا کو دیکھنے لگا۔ جس کے ہاتھ میں بڑا سا راہ نہ بچہ تھا۔

وہ اوپر آکر ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ پھر سیدھی کچن میں چلی گئی۔

"تمہیں ماہا کی ہیلپ کروانی چاہیے تھی۔"

"اوہو میں تو امی کی وجہ سے آگئی تھی۔" سوہا نے وضاحت دی پھر کچن سے نکل کر نیچے جاتی ماہا کو پکارا۔
"اب کہاں جا رہی ہو۔"
"میٹھے کا دیگچہ رہ گیا ہے۔ سیڑھیوں کے پاس ہی ہے۔" اس کا سانس پھول رہا تھا۔ انس بے ساختہ بولا۔
"تم رہنے دو۔ میں لاتا ہوں۔" وہ سیڑھیاں اتر گیا۔
ماہا تکلف میں اسے منع کرتی، لیکن اتنے میں اس کا فون بجنے لگا۔ وہ انس کو دیکھ کر سرہلاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔



عفت بہت خاموشی اور سنجیدگی سے اپنے پیروں کی نیل پالش صاف کر رہی تھی۔ اماں اور ابا میں مزید جاگنے کی سکت نہیں تھی۔ اس لیے وہ سب کے جاتے ہی لمبے لیٹ چکے تھے۔
نائلہ کمرے میں داخل ہوئی۔ عفت نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اور پھر سے نیل پالش صاف کرنے لگی۔
اس کا خیال تھا کہ نائلہ کوئی بات کرے گی۔ مگر وہ خاموشی سے اپنا چہرہ تولیے سے رگڑتی کسی سوچ میں گم تھی۔
اس کے بعد تولیہ ایک طرف ڈال کر بستر کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ اسے نائلہ کی خاموشی چبھنے لگی تو بول پڑی۔
"ماہا نے بھی کتنا تیار کر دیا تھا تجھے۔ پیروں تک پر کیو ٹیکس لگا ڈالی۔" اس نے یونہی بات برائے بات کی۔
نائلہ نے رک کر اس کا جائزہ لیا۔ اس نے کپڑے تبدیل کر لیے تھے۔ البتہ میک اپ ابھی تک فریش تھا۔ بال سے پنیں نکالنے اور سلجھانے کی کوشش میں بکھرے بکھرے تھے۔ پھر بھی اس کے سراپے میں ایک عجیب سی کشش اور نکھار محسوس ہو رہا تھا۔
"ہوں۔" وہ ایک ہنکارا بھر کر پھر سے پلٹ کر چادر جھاڑنے لگی۔
عفت نے اس کے یک لفظی جواب کو بہت محسوس کیا لیکن جب تک وہ اپنے احساس کو زبان دیتی۔ نائلہ باہر نکل چکی تھی۔
عفت نے خاموشی سے ریموور کا کیپ لگایا اور اس کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔ نائلہ چند لمحوں بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھی۔
"چچ... اب صبح کر لینا صفائی۔ اس وقت ضروری ہے۔"
"صبح میں چلی جاؤں گی جلدی اور... سب جگہ صاف کر دی ہے۔ بس یہی کمرا رہ گیا ہے۔"
"صبح جلدی کیوں جاؤ گی۔ رک جانا۔"
"حدید کو جانا ہو گا آفس۔"
اس کے منہ سے ایک حرف ممنوعہ نکلا تھا جیسے۔ عفت کو ایک دم چپ لگ گئی اور جیسے چند لمحے قبل عفت کو اس کی چپ چبھ رہی تھی۔ ویسے ہی اس وقت نائلہ کو اس کی خاموشی بہت کھلی۔
عفت ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بھی بظاہر پورے دھیان سے جھاڑو لگانے لگی۔ پنکھا بند ہونے کی وجہ سے کمرے میں گرمی سی بھر گئی تھی اور بے حد سناٹا سا معلوم دینے لگا۔ جس میں جھاڑو کی کھس کھس بے انتہا نوکیلی سی لگنے لگی۔ عفت کو دوبارہ سے اس کی خاموشی نے ایک غیر محسوس سی بے چینی میں دھکیل دیا۔
"تمہیں کیسے لگے معراج!" اسے اپنے لبوں سے اپنے ہی محرم کا نام عجیب سا لگا۔
"یعنی میرا مطلب ہے وہ اور ان کے گھر والے اچھے تو ہیں نا!" زبردستی بنائی جانے والی باتیں زیادہ بدشکل ہوتی ہیں۔

"ہاں اچھے ہی ہیں۔" نائلہ کا لہجہ سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔
"لیکن حدید سے زیادہ نہیں۔" اس نے ایک گہری نظر عفت پر ڈالی اور دوبارہ سے جھاڑو پھیرنے لگی۔ عفت کے دل پر کسی نے جلتا ہوا موم انڈیلا۔
"حدید!۔۔۔ ان کا یہاں کیا ذکر۔" بے وجہ کی الکن بھی چور بناتی ہے۔ نائلہ کے لبوں پر ایک طنزیہ ہنسی آن رکی۔

"ان کا نہیں تو اور کسی کا ذکر کروں۔ آخر وہی میرے شوہر ہیں۔"
وہ بڑی انجان سی بنی فٹ میٹ جھاڑنے لگی۔ اور جب فٹ میٹ سے نکلنے والی گرد ان دونوں کے درمیان شور مچا کر ذرا سکون سے بیٹھی تو عفت کا چہرہ بھی گرد گرد ہو رہا تھا۔
"اسی لیے ان سے کمپیئر کر کے کہہ دیا۔۔۔ کیوں تمہیں کیا لگا۔"
وہ جانے کسی چیز کا بدلہ عفت سے لے رہی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ عفت سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ جبکہ نائلہ ہنوز انتظار میں کھڑی تھی۔ عفت نے اپنے روم روم میں سرسراتی بے بس کیفیت کو پوری جان سے محسوس کیا۔



فون کئی بار بج کر بند ہو چکا تھا۔ اس نے غنودگی میں جاگتی امی کو دیکھا۔
ان کا بایاں ہاتھ تکلیف دہ انداز میں سیدھا بیڈ سے باہر آ رہا تھا۔ وہ قریب گئی۔ بے حد آہستگی سے ان کا ہاتھ اٹھا کر کہنی سے موڑا اور ان کے سینے پر رکھ دیا۔
سیدھا ہوتے ہوئے اس کی نظر ان کے چہرے پر پڑی۔ وہ بے اختیار گہری تشویش میں گھر گئی۔
یہ صرف معمولی بلڈ پریشر کے اتار چڑھاؤ کا مظہر نہیں تھا۔ ان کا چہرہ خطرناک حد تک رنگ بدل رہا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑی وہیں انہیں دیکھتی رہی۔
دفعتاً" اس کے فون کی رنگ پوری زور و شور سے پھر گونجی۔ اب کی بار اس نے فوراً" ہی امی کی نیند خراب ہونے کی وجہ سے فون کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ فون کی آواز پر کسمسا کر بے آرام ہو رہی تھیں۔
پھر دروازے کے نزدیک آ کر اس نے کال لاگ کھول کر دیکھا۔
"اوہ مائی گاڈ۔"
مزنہ کی بے شمار اور لاتعداد مسڈ کالز تھیں۔
رات کافی گزر چکی تھی۔ یقیناً" چند لمحے قبل آنے والی کال بھی ان کی ہی تھی۔ اگر وہ اتنی رات کو اسے فون کر سکتی تھیں۔ تو یقیناً" ابھی جاگ رہی ہوں گی۔ اس نے سوچا خود سے فون کر لے یا ان کی کال کا انتظار کرے۔
اسی وقت فون پھر بج اٹھا۔ اس نے امی کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے فوراً" ہی ریسیو کر لیا۔
"السلام علیکم مزنہ آپی کیسی ہیں آپ! خیریت ہے۔"
مزنہ آپی بھری بیٹھی تھیں۔
انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ جواب میں جو خبر سنائی۔ وہ ماہا کے حواس سن کرنے کے لیے کافی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

